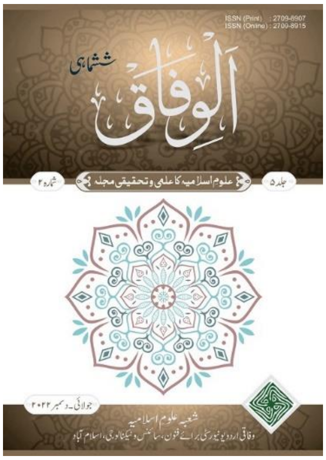

Al-Wifaq Research Journal of Islamic Studies
Volume 5, Issue 2 (July - December 2022)
eISSN: 2709-8915, pISSN: 2709-8907
Journal DOI: https://doi.org/10.55603/alwifaq
Issue Doi: https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2
Home Page: https://alwifaqjournal.com/

Journal QR Code:

Article	ہجرت حبشہ کے تناظر میں غیر مسلم ریاستوں کے مسلم شہریوں کا دستور العمل The Manual for Muslim Citizens of Non-Muslim States in the Context of Abyssinian Emigration	Indexing
Authors	Dr. Muhammad Tufail	
Affiliations	International Islamic University, Islamabad.	
Published	31 December 2022	
Article DOI	https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2.u3	
QR Code		
Citation	Muhammad Tufail. 2022. “ہجرت حبشہ کے تناظر میں غیر مسلم ریاستوں کے مسلم شہریوں کا دستور العمل: The Manual for Muslim Citizens of Non-Muslim States in the Context of Abyssinian Emigration”. Al-Wifaq 5 (2):43-71. https://doi.org/10.55603/alwifaq.v5i2.u3.	
Copyright Information:	ہجرت حبشہ کے تناظر میں غیر مسلم ریاستوں کے مسلم شہریوں کا دستور العمل The Manual for Muslim Citizens of Non-Muslim States in the Context of Abyssinian Emigration © 2022 by Dr. Muhammad Tufail is licensed under CC BY 4.0	
Publisher Information:	Department of Islamic Studies, Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan.	

ہجرت حبشہ کے تناظر میں غیر مسلم ریاستوں کے مسلم شہریوں کا دستور العمل

The Manual for Muslim Citizens of Non-Muslim States in the Context of Abyssinian Emigration

ڈاکٹر محمد طفیل

پروفیسر (ر)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT:

Just as there were trade relations between Yemen and the Arabian Sea from ancient times ،so also there were trade relations between Abyssinia and the Arabian Sea from ancient times. This was the reason that the residents of Makkah were well aware of the conditions in Abyssinia and as soon as the permission was given by the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) ،the Companions of the Prophet PBUH immediately prepared for this migration. Muslims migrated to Abyssinia twice. The first time ،15 or 16 people were involved ،while the second time ،about 101 people participated. The last caravan of Abyssinian emigrants reached Medina directly on the 7th Hijra.

One of the arguments arising from this migration is that in the country or region in which Muslims settle ،they face problems in religious ،cultural ،economic ،political ،moral and social affairs ، especially when it is difficult to fulfil religious affairs ،they are allowed to migrate from one place and settle in another place. Also ،if a Muslim gets better economic ،commercial ،business and earning opportunities in a non-Muslim state than in an Islamic state ،then such Muslims should migrate from a Muslim state and settle in a non-Muslim state. Similarly ،Muslim students can enrol in non-Muslim educational institutions and obtain higher degrees.

These all above matters are allowed with the condition that they don't let the wealth of their faith go to waste during their studies ،stick to trust and honesty and protect their honour and reputation. This research also proves that it is important for Muslims to follow the laws of the country in which they live.

KEYWORDS:

Abyssinian Emigration ،Non-Muslims ،Migration to Habsha ، Manual.

نیکی بدی، اچھائی برائی اور خیر شر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ خیر ہمیشہ سے مثبت قوتوں سے عبارت رہی

ہے اور خالقِ کائنات کی نمائندگی کرتی ہے، جبکہ اس کے برعکس شر شیطان کی نمائندہ ہونے کے حوالے سے سداسلبی قوتوں(Negative Forces) کی ممدومعاون رہتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ "القدر خيره وشره من الله تعالى" خیر و شر دونوں اللہ تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ ہیں۔ وہی ان کی مقدار کا تعین کرتا اور وہی اس کائنات میں برپا ہونے والے امور و واقعات کو اچھائی یا برائی کا درجہ عطاء کرتا ہے۔ مزید براں یہ خالقِ کائنات ہی ہے جو انسانوں کو شر سے محفوظ کر کے خیر کی طرف متوجہ کرتا، اس کا خوگر بناتا اور خیر کو اپنانے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے۔ اس کی رحمت تمام چیزوں پر محیط ہے اور وہ ہمیشہ اپنی اشرف مخلوق یعنی انسان کی بھلائی، فلاح، خوشحالی اور مسرت کو فروغ دیتا ہے۔ اس لیے اس نے انسان کو خیر کی افادیت سے روشناس کرانے کے لیے شر کو تخلیق کیا۔ تاکہ "تعرف الاشياء بأضدادها" کے مطابق انسان تمام امور کی افادیت سے آگاہ ہو کر خیر کا خوگر بن جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات میں خیر ہی اصل ہے، اسی نے ہی سدا قائم رہنا ہے۔ جبکہ شر اس کے مقابلے میں ایک فانی قدر(Mortal Value) ہے اور اسے بہر حال ختم ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر کو بقائے دوام اور شر کو اختتامِ عام حاصل ہوتا رہے گا۔ نیز یہ وجہ ہے کہ جب انسانی معاشروں میں شر کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور خیر کا عنصر انسانی معاشروں میں ماند پڑ کر ختم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نظام شر کی سرکوبی اور خیر کی بالیدگی کے لیے حرکت میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء آفرینش سے اپنے انبیاء اور رسل مبعوث کرتا رہا ہے۔ انسانی ہدایت کے لیے کتب اور صحیفے بھی نازل کرتا رہا ہے۔ نیز انسانی رہنمائی کے لیے مبلغین، علماء، مشائخ اور مصلحین پیدا کرتا رہا ہے۔ تاکہ ان سعید روحوں کی کوششوں سے خیر کو انسانی معاشروں میں فروغ ملتا رہے اور شر کی سرکوبی ہوتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ہادی یا مصلح(Reformer) انسانی بھلائی کے لیے سرگرم عمل ہوتا ہے تو نہ صرف اس کی مخالفت کی جاتی رہی ہے بلکہ شر کی قوتیں اسے ختم کرنے کے لیے سدا درپے رہتی ہیں۔ تاکہ شر کی قوتوں کو اس کائنات میں فروغ حاصل ہو اور وہ پروان چڑھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر اس کائنات میں مبعوث فرمایا تو جزیرۃ العرب اور مکہ کے باشندوں نے نہ صرف ان کی ہدایت بخش تعلیمات سے انکار کیا بلکہ ان الہامی تعلیمات و روحانی ہدایات پر لبیک کہنے والوں کی سختی سے مخالفت کی، بلکہ وہ خود رسول کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن ہو گئے تھے کہ وہ انہیں قتل کرنے کے درپے تھے اور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو جان سے مارنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

تاریخ گواہ ہے کہ بعثت کے بعد نبوت کے تین ابتدائی سال نسبتاً آسانی سے گزر گئے۔ کیونکہ اس وقت مسلمان ہونے والے خوش نصیب افراد کی تعداد نہ صرف کم تھی اور وہ گنتی کے چند افراد تھے بلکہ وہ سب جگہ جگہ منتشر تھے، نہ ان کی کوئی جمعیت تھی نہ کوئی قوت۔ تاہم نبوت کے چوتھے سال تک مسلمانوں کی تعداد میں معقول حد تک اضافہ ہو چکا تھا اور وہ گاہے

بگاہے دار ارقم میں اکٹھے ہو کر چھپ کر نماز باجماعت بھی ادا کرنے لگے تھے۔ کفار و مشرکین مکہ بھی مسلمانوں کے اس اجتماع اور ان کی بڑھتی ہوئی تعداد سے باخبر تھے اور ان کی قوت سے بھی بخوبی آگاہ ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے انتقاماً مسلمانوں کی ایذاء رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اگرچہ اسلام کی نعمت سے مستفیض ہونے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان غنی اور سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہم جیسے نامور سرکردہ افراد بھی شامل تھے۔ لیکن کفار کی ایذا رسانی کا شکار ہونے والوں میں معاشرے کے کمزور افراد سر فہرست تھے اور کمزور افراد میں سے ایسے افراد کو انتہائی اذیت پہنچائی جاتی تھی جو ابھی تک غلامی (Slavery) کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جن میں سیدنا بلال، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا صہیب بن سنان، سیدنا صہیب رومی، سیدنا جناب بن الارث، سیدنا ابو کلینہ جہنی اور سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہم سر فہرست تھے۔

بجیرہ عرب کے سماجی نظام میں قبیلہ کو انتہائی اونچا مقام حاصل ہوتا تھا۔ ہر قبیلہ نہ صرف خود مختار اور طاقت ور ہوتا تھا بلکہ معاہدوں کے ذریعے سے دیگر بڑے قبائل سے بھی وہ مربوط ہوتا اور ان سے قوت حاصل کرتا تھا۔ اس طرح عرب قبائل اپنے اپنے قبیلہ کا دفاع بھی کرتے اور اپنے افرادِ قبیلہ کا تحفظ بھی کرتے تھے۔ اسی نظام کے تحت رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کا فریضہ ان کا قبیلہ قریش سر انجام دیتا تھا۔ کیونکہ "وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" کی رو سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی ضمانت فراہم کر رکھی تھی۔ لیکن اسلام کے دائرے میں داخل ہونے والے دیگر خوش نصیبوں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے قبیلوں سے تو کٹ جاتے تھے لیکن مسلمانوں کے پاس ان کی حفاظت اور ان کی دل جوئی کا کوئی انتظام موجود نہیں تھا۔ مزید بر آں اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق معاشرے کے نچلے طبقوں اور غلاموں سے ہوتا تھا۔ اس لیے مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو انتہائی تکالیف پہنچاتے تھے۔ جنہیں مسلمان پامردی اور دل جمعی سے برداشت کرتے تھے۔ جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے لیے یہ صورت حال بہت تکلیف دہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو تکلیف میں دیکھیں اور وہ ان کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔ ان کٹھن حالات میں ایک روز رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی زمین پر کہیں اور چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب ایک جگہ جمع کر دے گا۔ ان مظلوموں نے پوچھا کہ وہ کہاں جائیں؟ آپ ﷺ نے حبشہ کے ملک کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"لو خرجتم الى ارض الحبشة فان بها ملك كما لا يظلم عنده أحد، وهي ارض صدق حتىٰ يجعل الله لكم خرجا فيما أنتم فيه۔"[۱]

کہ آپ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ حکومت کرتا ہے، جس کی موجودگی میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ سچائی کی سرزمین ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت سے نجات دلائے جس میں اب تم

۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۶)، ۱/۵۰۳.

لوگ مبتلا ہو۔

جیسے یمن اور بحیرۃ العرب کے درمیان زمانہ قدیم سے تجارتی روابط استوار تھے۔ اسی طرح حبشہ (Ethiopia) اور بحیرۃ العرب کے درمیان بھی قدیم زمانہ سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ نیز ان دونوں خطوں کے درمیان جہازوں کے ذریعے سے سمندری سفر بھی جاری رہتا تھا۔ اس لیے مکہ مکرمہ کے باشندے حبشہ اور اس کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ مزید برآں مسلمانوں کے لیے یہ بات سب سے اہم تھی کہ انہیں سید الانبیاء والمرسلین اور ان کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔[2] اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ہجرت کے لیے بطیب خاطر فوراً تیار ہو گئے تھے تاکہ وہ مکہ میں موجود اس مصیبت اور آزمائش سے نجات پائیں اور وہاں جا کر آزادی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور اسلامی اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہو سکیں۔

مؤرخین اور سیرت نگار سبھی اس امر پر متفق ہیں کہ ہجرت حبشہ کے لیے نفوس قدسیہ کا پہلا قافلہ رجب المرجب ۵ نبوی کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا تھا۔ مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے انتہائی ناسازگار تھے اور مکہ والوں کا جبر اور تشدد مسلمانوں پر اس قدر غالب ہو چکا تھا کہ وہ چھپ چھپ کر رات کی تاریکی میں چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں پیدل اور سوار ہو کر مکہ سے نکل کر اس وقت کی بندرگاہ (Sea Port) شعبیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ واضح رہے کہ اس عہد میں "شعبیہ" ہی مکہ کی بندرگاہ شمار ہوتی تھی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والا نفوس قدسیہ کا قافلہ گیارہ یا بارہ افراد اور چار یا پانچ خواتین پر مشتمل تھا۔ جن کی قیادت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نہ صرف اس جان نثارانِ اسلام کے قافلے کے قائد تھے بلکہ وہی اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ سب سے پہلے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے لیے روانہ ہوئے۔ انہیں دونوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

"إنهما أول بيت هاجر في سبيل الله بعد إبراهيم ولوط عليهما السلام "[3]

"حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کر رہا ہے۔"

چند نفوس قدسیہ پر مشتمل اس قافلہ کے افراد ایک ایک اور دو دو کی ٹکریوں میں رات کے اندھیرے میں چھپ کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور چھپتے چھپاتے شعبیہ کی بندرگاہ تک پہنچے اور یوں اہلِ مکہ کو ان کے ہجرت کرنے کا علم نہ ہوا تاہم

---

2 أبو محمد جمال الدين عبد الملك ابن هشام، السيرة النبوية، تحقيق: مصطفى السقا، إبراهيم الأبياري، اور عبد الحفيظ الشلبي (مصر: مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، ۱۹۵۵)، ۱/۳۲۱.

۳ صفي الرحمن مباركپوري، الرحيق المختوم (بيروت: دار الهلال، س ن)، ۸۱.

جب یہ قافلہ بندر گاہ پہنچا تو وہاں دو مال بردار جہاز حبشہ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اگر چہ وہ مال بردار جہاز تھے اس کے باوجود ان سب افراد کو جہاز والوں نے نہ صرف اپنے ساتھ سوار کر لیا بلکہ ان سے کرایہ بھی انتہائی کم وصول کیا۔ اس طرح جہاز ان مہاجرین کو لے کر حبشہ کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گیا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان تمام مسافروں نے جہاز والوں کو کل پانچ درہم بطور کرایہ ادا کیے تھے۔

جب دونوں جہاز ان مہاجرین کو لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے تو اہل مکہ کو ایک خاتون نے اطلاع دی کہ میں نے راستہ میں دیکھا کہ حضرت عثمان شعبیہ کی بندر گاہ کی طرف جا رہے تھے اور ان کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ جب مشرکین مکہ کو یہ خبر ہوئی کہ مسلمان مکہ کو چھوڑ کر باہر جا چکے ہیں تو انہوں نے اپنے آدمی مہاجرین کی تلاش میں دوڑائے اور جب وہ لوگ شعبیہ کی بندر گاہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ مسلمانوں کو لے کر دونوں جہاز پہلے ہی وہاں سے جا چکے تھے۔ چنانچہ ہجرت حبشہ اولیٰ کے دوران جن سعید روحوں نے ہجرت کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا زبیر بن العوام، سیدنا عبد الرحمن بن عوف، سیدنا مصعب بن عمیر، سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ بن الیمان، سیدنا ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی، سیدنا سہیل بن بیضاء، سیدنا عامر بن ربیعہ عنزی، سیدنا ابو سبرہ بن ابی رہم عامری، سیدنا حاطب بن عمرو بن عبد شمس، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، سیدہ نحلہ بنت سہیل، سیدہ لیلیٰ بنت ابی حشمہ، ام کلثوم بنت سہل بن عمر رضی اللہ عنہم۔[۴]

یہ اُن تمام خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ہیں جن کی کل تعداد بارہ مرد اور پانچ خواتین تھی۔ تاہم ان سترہ افراد کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ ابن اسحاق نے ابو سبرہ بن ابی رہم کے ساتھ ان کی اہلیہ ام کلثوم بنت سہل کا نام تحریر کیا ہے۔ تاہم ابن اسحاق نے حاطب بن عمرو اور ام کلثوم کا ذکر نہیں کیا، انہیں ابن سید الناس نے عیون الاثر میں تحریر کیا ہے۔ جبکہ حافظ ابن قیم کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود پہلی ہجرت حبشہ میں شریک نہیں تھے بلکہ وہ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک ہوئے تھے۔

مسلمان حبشہ میں پہنچ کر امن و سکون کی زندگی گزارنے لگے۔ نہ ان پر کوئی جبر ہوتا تھا اور نہ تشدد۔ بلکہ وہ پر سکون ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے ماہِ رجب ۵ نبوی میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ انہیں ماہِ شوال میں قریباً تین ماہ بعد یہ اطلاع موصول ہوئی کہ اہل مکہ تمام کے تمام مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس لیے وہاں اب کسی پر ظلم یا تشدد نہیں ہوتا۔ بلکہ اب مکہ مکرمہ میں مسلمان پر سکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر حبشہ میں مقیم مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ وہ اپنے وطن سے دور اور اپنے عزیز و اقارب اور احباب سے بچھڑے ہوئے تھے اس لیے وہ لامحالہ یہ سوچنے اور باہمی مشورے کرنے لگے کہ اب مکہ میں حالات سازگار ہو گئے ہیں اس لیے اب ہمیں اپنے وطن مالوف

---

۴ أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني، فتح الباري شرح صحيح البخاري (بيروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹)، ۷/۱۸۸.

مکہ واپس لوٹ جانا چاہیے۔ جبکہ حبشہ میں مقیم مسلمانوں میں سے بعض کی یہ رائے بھی تھی کہ یہ خبر غیر مصدقہ ہے۔ اس لیے ہمیں اس وقت تک یہیں مقیم رہنا چاہیے جب تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب سے ہمیں کوئی مصدقہ خبر موصول نہیں ہو جاتی۔ اس مشاورت کے نتیجہ میں دو آراء سامنے آئیں کہ واپس مکہ لوٹا جائے یا نہ لوٹا جائے۔ چنانچہ جو لوگ مکہ لوٹنے کے حق میں نہیں تھے وہ حبشہ میں ہی مقیم رہے اور ان میں سے کچھ افراد مکہ لوٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔

جو اصحاب حبشہ سے سفر کر کے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے وہ جب مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر محض ایک افواہ تھی اور اس خبر میں کوئی صداقت نہیں تھی اور مکہ والے مسلمانوں پر بدستور مصائب کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ یہ خبر ان کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ ان کے لیے اب "نَہ پائے رَفتَن، نَہ جائے ماندَن" کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ ان کٹھن حالات میں وہ مکہ سے چھپ کر فرار ہوئے تھے اس لیے اب وہ مکہ میں بآسانی داخل نہیں ہو سکتے تھے اور واپس حبشہ بھی بآسانی نہیں لوٹ سکتے تھے۔ اس لیے ان میں سے بعض کسی مکہ والے کی پناہ (Asylum) لے کر مکہ میں داخل ہو کر رہائش پذیر ہوئے اور جن افراد کو کسی مکی کی پناہ حاصل نہ ہوئی وہ بغیر پناہ کے مکہ میں داخل ہو گئے۔ ایسے افراد پر اہل مکہ وحشی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے اور انہیں انتہائی تشدد اور سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور انہوں نے ان پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم و ستم روا رکھا۔[۵]

اس کے برعکس جو لوگ کسی مکی باشندے کی پناہ میں آ کر داخل ہوئے وہ مکہ میں محفوظ ہو کر پر سکون زندگی گزارنے لگے۔ لیکن اپنے ساتھی مسلمانوں پر ہونے والے اہل مکہ کے ظلم و جبر سے وہ بے حد نالاں تھے۔ ان میں سے چند ایک کے احوال بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو حبشہ سے واپس مکہ لوٹ آئے تھے۔ انہیں ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی۔ اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ مکہ میں سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن جو مسلمان مکہ میں کسی کی پناہ میں نہیں تھے اہل مکہ ان پر ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھتے تھے، انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے اور تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ انہیں اس حال میں دیکھ کر حضرت عثمان بن مظعون انتہائی پریشان ہوتے لیکن وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ سے نکل جائیں تاکہ وہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح کفارِ مکہ کی سختیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ نیز وہ بندوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلے جائیں جو مضبوط ترین سہارا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دن ولید بن مغیرہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ اپنی پناہ واپس لے لیں کیونکہ " ولكنني ارضي بجوار الله عزوجل ولا اريد ان استجير بغيره "میں صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے علاوہ کسی غیر کی پناہ مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ سن کر ولید نے کہا کہ جس طرح میں نے

۵ أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن البغدادي المعروف بابن سعد، الطبقات الکبری (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۰)، ۱/۱۶۱.

آپ کو مجمع عام میں پناہ دی تھی اسی طرح آپ مجھے مجمع عام میں میری پناہ مجھے لوٹا دیں۔ لہذا وہ دونوں حرم شریف میں گئے، وہاں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ ولید نے مجھے پناہ دی تھی، میں نے اسے اپنے قول میں سچا پایا۔"

صدق، وَقَدْ وجدته وفيًا كريم الجوار، وَقَدْ أحببت أن لا أستجير بغير اللَّه عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ رددت عليهم جواره"[٦]

اس نے اپنا وعدہ نبھایا، میں نے اسے وعدہ پورا کرنے والا اور باعزت طریقے سے نبھانے والا پایا لیکن میں یہ بات پسند نہیں کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں زندگی بسر کروں اس لیے میں نے اس کی پناہ اسے واپس لوٹا دی ہے۔

جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کر دی تو وہ اور مشہور عربی شاعر لبید بن ربیعہ خانہ کعبہ سے نکل کر ایک محفل میں آئے۔ وہاں لبید نے یہ مشہور شعر پڑھا:

الا كل شي ما خلا الله باطل — كل نعيم لامحالة زائل

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی — ہر نعمت آخر کار ختم ہونے والی ہے

اس کے جواب میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

كذبت نعيم الجنة لا يزول

"تم نے جھوٹ کہا بلکہ جنت کی نعمتیں زائل نہ ہوں گی۔"

اس بات کو لبید نے سخت ناپسند کیا، تو وہاں موجود ایک اور شخص سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی تلخ کلامی ہوئی۔ جس پر اس شخص نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر زور سے مکا مارا، جس سے زخمی ہو کر وہ سوجھ گئی، تو پاس بیٹھے ہوئے ولید بن مغیرہ نے کہا اے بھتیجے! جب تک تم میری پناہ میں تھے کسی کو تمہاری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔ لہذا تم دوبارہ میری پناہ میں آجاؤ۔ اس پر حضرت عثمان نے یہ ارشاد فرمایا:

" بَلْ وَاللَّهِ إِنَّ عَيْنِي الصَّحِيحَةَ لَفَقِيرَةٌ إِلَى مِثْلِ مَا أَصَابَ أُخْتَهَا فِي اللَّهِ، وَإِنِّي لَفِي جِوَارِ مَنْ هُوَ أَعزُّ مِنْكَ وَأَقْدَرُ يَا أَبَا عَبْدِ شَمْسٍ"[٧]

"بخدا میری دوسری آنکھ بھی یہ چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے بھی ویسا ہی طمانچہ لگے جیسا کہ اس کے ساتھ والی آنکھ کو لگا ہے اور اے عبد شمس! میں اب اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز اور زیادہ طاقتور ہے۔"

دوسرا واقعہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو ان مہاجرین حبشہ میں سے ہیں جو مکہ واپس لوٹ آئے تھے اور انہیں حضرت ابو طالب نے پناہ دی تھی۔ ان کے قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ افراد حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابو

---

٦ عزالدين أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد الشيباني الجزري ابن الأثير، أسد الغابة في معرفة الصحابة، محقق: علي محمد معوض، اور عادل أحمد عبد الموجود (بيروت: دار الكتب العلمية، ١٩٩٤)، ٣/٥٨٩.

٧ أبو الفداء إسماعيل بن عمر ابن كثير ,البداية والنهاية .ed ,علي شيري (بيروت: دار إحياء التراث العربي,١٩٨٨),٣/١١٦.

طالب! آپ نے ہمارے اس آدمی کو کیوں پناہ دی ہے؟ حضرت ابو طالب نے جواب دیا کہ یہ میرا بھانجا ہے۔ اس نے مجھ سے پناہ مانگی تھی۔ میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ کیونکہ اگر میں اپنے بھانجے کو پناہ نہیں دے سکتا تو میں اپنے بھتیجے (حضرت محمد ﷺ) کو کیسے پناہ دے سکوں گا؟ قبیلہ قریش کی سیادت کی وجہ سے مخزومی حضرات بے نیل و مرام واپس لوٹ گئے۔ تاہم ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مکہ کے حالات کس قدر کشیدہ اور تلخ تھے۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ سے مکہ واپسی پر کسی نے پناہ نہ دی تھی ان میں کوفہ کے مدرسہ فقہ کے بانی اور فقہ حنفی کے سرخیل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے وہ چونکہ کسی کی پناہ میں نہیں تھے۔ اس لیے انہیں روزانہ اہل مکہ کے ظلم و جبر کا سامنا رہتا تھا۔ اس لیے وہ تھوڑا ہی عرصہ مکہ میں قیام کر کے حبشہ واپس چلے گئے اور ہجرت مدینہ تک وہیں مقیم رہے۔

جو مسلمان حبشہ چھوڑ کر مکہ واپس آئے تھے، انہیں مکہ میں انتہائی کٹھن حالات کا سامنا تھا۔ اہل مکہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ اذیتیں دیتے، ستاتے اور طرح طرح کے جبر و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ نیز ان مسلمانوں کو حبشہ میں پر سکون انداز میں گزارے ہوئے تین مہینے شدت سے یاد آتے تھے، جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر اور حبشہ کو اسلام اور مسلمانوں کے محفوظ پناہ گاہ تصور کرتے ہوئے سرور دو عالم اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت عطا فرمادی تھی کہ وہ دوبارہ حبشہ کی پر سکون زمین کی طرف ہجرت کر جائیں۔ یہ اجازت حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کے لیے ایک نعمت تھی، اس لیے وہ فوراً ہجرت حبشہ ثانیہ کے لیے تیار ہو گئے۔

دوسری جانب کفار مکہ بھی بہت چوکنا ہو گئے تھے وہ نہ صرف مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچاتے تھے بلکہ وہ ان کی نگرانی بھی کرتے تھے نیز اہل مکہ نے ان کا محاصرہ بھی کر رکھا تھا۔ اس کے باوجود نہ صرف حبشہ سے لوٹے ہوئے مسلمان اس ہجرت کے لیے کمربستہ ہو گئے بلکہ ان کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اہل مکہ سے بچتے بچاتے ۸۲ یا ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین چھپ چھپا کر اس ہجرت کے لیے تیار ہوئے اور کفار مکہ سے بچ کر مختلف قافلوں کی شکل میں حبشہ پہنچ گئے۔ اسے ہجرت حبشہ ثانیہ کے نام سے تاریخ و سیرت نے محفوظ کر رکھا ہے۔[۸]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسری مرتبہ بھی ہجرت حبشہ کی اور دونوں دفعہ وہ مسافرانِ حق کے سالار تھے۔ انہیں مکہ کی کلفتوں اور حبشہ کی راحتوں کا نہ صرف پورا پورا احساس تھا بلکہ انہیں ان دونوں مقام پر زندگی بسر کرنے کا عملی تجربہ بھی حاصل تھا۔ جب وہ راہِ حق میں دینِ حق کی خاطر ہجرت کر رہے تھے تو انہیں اس امر کا انتہائی شدت سے افسوس تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ہجرت کر کے حبشہ جا رہے ہیں لیکن انہیں سرکار دو عالم نبی انس و جان حضرت محمد ﷺ کی معیت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ان کا یہ

---

۸ أحمد بن محمد بن أبي بكر بن عبد الملك القسطلاني، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية (قاهرة: المكتبة التوفيقية، س ن)، ۱/۱۵۳.

تاسف یوں محفوظ کیا گیا ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دلی تاسف اور رنج کا اظہار سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ میں کیا۔ یہ تاریخی مکالمہ ان الفاظ میں محفوظ ہے:

فهجرتنا الاولى وهذه الهجرة الى النجاشي ولست هنا، فقال رسول الله ﷺ أنتم مهاجرون الى الله والى لكم هاتان هجرتان جميعا، فحسبنا يا رسول الله[۹]

"یارسول اللہ! نجاشی کی طرف ہماری پہلی ہجرت اور یہ دوسری ہجرت ہو رہی ہے لیکن آپ ﷺ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اے عثمان! افسوس نہ کرو) تمہاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور میری طرف ہیں۔ (اس پر حضرت عثمان نے کہا) تو پھر ہمیں اتنا ہی کافی ہے اے اللہ کے رسول!"

مکہ کی تکلیفیں، کلفتیں اور شدتیں ایک طرف رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت، معیت اور ہدایت دوسری جانب ہے۔ جبکہ حبشہ میں راحت ہی راحت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی عبادت ہے۔ اس کے باوجود سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نہ صرف رحمۃ للعالمین کی جدائی کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ اس کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ یہ ایمان بالرسالت کا ارفع و اعلیٰ درجہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درخواست پر جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ انہوں نے شاداں و فرحاں ہجرت حبشہ کے لیے تیاری کی۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں نہ صرف پہلی ہجرت حبشہ سے واپس آنے والے افراد و خواتین نے حصہ لیا بلکہ دوسری بار دوسرے مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئے تھے۔ جن میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شامل تھیں۔ چنانچہ پہلی ہجرت حبشہ میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ خواتین شامل تھیں جبکہ دوسری ہجرت حبشہ میں بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ خواتین شامل تھیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک خوش نصیب مسلمانوں کا تعلق مختلف قبائل سے تھا جن کی تفصیل کتب تاریخ و سیرت میں اس طرح محفوظ ہے:

بنوہاشم سے ایک مرد اور ایک خاتون، بنوامیہ سے چار مرد اور تین خواتین، بنواسد بن خزاعہ سے چار مرد اور دو خواتین، بنونوفل بن عبد مناف سے ایک، بنواسد بن عبد العزیٰ سے چار مرد، بنوعبد بن قصی سے ایک مرد، بنوعبد الدار سے سات مرد، ایک خاتون اور تین بچے، بنوزہرہ سے پانچ مرد، ایک خاتون اور ایک بچہ، بنوتمیم بن مرہ سے دو مرد، ایک عورت اور چار بچے، بنومخزوم سے آٹھ مرد، ایک خاتون اور ایک بچہ، بنوجمح سے تیرہ مرد اور تین خواتین، بنوسہم سے چودہ مرد، بنوعدی سے پانچ مرد اور ایک خاتون، بنوعامر سے نو مرد اور دو خواتین اور بنوحارث سے آٹھ مرد اور ایک خاتون شامل تھے۔ اگرچہ مکہ

---

۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۲۱۱.

میں حالات مسلمانوں کے لیے انتہائی نامساعد تھے۔ نہ صرف مسلمانوں کو سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں بلکہ ان کی انتہائی نگرانی بھی کی جاتی تھی۔ ان کٹھن حالات میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں نے ہجرت کی اور سب بخیر وعافیت حبشہ پہنچ گئے۔ حبشہ میں مسلمانوں کو نہ صرف ہر طرح سے امن وسکون میسر ہوا بلکہ وہ ہر مشکل سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھر سے مشغول ہو گئے اور وہاں وہ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے۔ چنانچہ تاریخ وسیرت نے یہ امر بھی محفوظ کیا ہوا ہے کہ حبشہ میں قیام کے دوران مسلمانوں کے ہاں درج ذیل بچے بھی پیدا ہوئے۔

قبیلہ بنو ہاشم سے سیدنا جعفر بن ابی طالب اور سیدہ اسماء بنت قیس رضی اللہ عنہما کے ہاں عبد اللہ بن جعفر، قبیلہ بنو امیہ سے خالد بن سعید بن ابی العاص اور امنیہ بنت خلف بن اسعد کے ہاں سعید بن خالد اور امتہ بنت خالد، قبیلہ بنو زہرہ سے مطلب بن ازہر بن عبد مناف اور رملہ بنت ابی عوف کے ہاں عبد اللہ بن مطلب، قبیلہ بنو مخزوم سے ابو سلمہ بن عبد الاسد کے ہاں زینب بنت ابی سلمہ اور قبیلہ بنو تمیم بن مرہ سے حارث بن خالد بن جعفر اور ریتہ بنت حارث کے ہاں موسیٰ بن حارث، عائشہ بنت حارث، زینب بنت حارث اور فاطمہ بنت حارث کی پیدائش ہوئی۔

تاریخ وسیرت کی روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مختلف اوقات میں دو بار مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ دونوں بار انہیں رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور اجازت حاصل ہوئی تھی۔ پہلی ہجرت حبشہ ۵ نبوی میں عمل میں آئی۔ جبکہ مسلمانوں کا آخری قافلہ ۷ ہجری میں حبشہ سے سیدھا مدینہ منورہ واپس آیا۔ اس طرح مسلمان حبشہ میں تقریباً پندرہ یا سولہ سال مقیم رہے۔ اس طویل عرصہ میں مکہ میں بھی بہت سے واقعات وقوع پذیر ہوئے اور حبشہ میں بھی کئی ایسے واقعات پیش آئے جن سے مسلمان بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر ہوئے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے یہ نکتہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ جونہی جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کے لیے حالات سازگار ہوئے اور مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو مہاجرین حبشہ بھی مرحلہ وار واپس لوٹے۔ بعض مہاجرین حبشہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے جبکہ مہاجرین حبشہ کا آخری قافلہ ۷ ہجری میں حبشہ سے براہِ راست مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ جس کی قیادت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور ان میں اہل یمن کے اس گروہ کے افراد بھی شامل تھے جن کی قیادت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کر رہے تھے جو سمندری طوفان کی وجہ سے یمن سے حبشہ پہنچے تھے۔ وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے اور بعد میں دیگر مہاجرین حبشہ کے ساتھ براہِ راست مدینہ منورہ پہنچے تھے۔

ہجرت حبشہ سیرت طیبہ، تاریخ اسلام اور حیات رسول کا ایک اہم باب ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ اس ہجرت میں براہِ راست شریک نہیں ہوئے لیکن آپ ﷺ نے مکہ میں مقیم مظلوم ومغلوب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی تعلیم وترغیب دی، حبشہ کی دوسری ہجرت کے وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو حبشہ روانہ کیا۔ انہیں نجاشی کے نام خط دیا۔ نجاشی نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں خط ارسال کیا بلکہ آپ ﷺ کی خدمت بجالانے کے لیے اپنا

بھتیجا بھی مدینہ منورہ بھیجا۔ چنانچہ اہل حبشہ نے مسلم مہاجرین سے عمدہ سلوک کیا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے حبشہ کے مہمانوں سے بھی عمدہ سلوک کیا تھا اور ان کی خاطر تواضع میں خود بھی حصہ لیا تھا۔ نیز آپ نے نجاشی اصحم کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی تھی۔ یہ سب امور اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کو مہاجرین حبشہ اور اہل حبشہ سے گہری وابستگی تھی اور ایک رسول خدا مسلمانوں کے مربی ہونے کی حیثیت سے وہ ذہنی، فکری اور انتظامی طور پر ہجرت حبشہ کے سارے عمل سے پورا وقت وابستہ رہے۔ بلکہ وہی اسی ہجرت کے محرک اور وہی اس کی تکمیل کرنے والے تھے نیز انہوں نے ہی اس ہجرت کی فضیلت بیان کی ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۱ میں مہاجرین حبشہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔[10]

"اور جنہوں نے اللہ کے واسطے گھر چھوڑا اس کے بعد جبکہ ان پر ظلم کیا گیا تھا تو البتہ ہم انہیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش یہ لوگ سمجھ جاتے"۔

یوں تو یہ آیت کریمہ حکم میں اس قدر عام ہے کہ ہر وہ انسان اس آیت کریمہ کا مصداق بنتا ہے جو کبھی بھی ظلم و جبر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا وطنِ مالوف ترک کر کے کسی دوسری جگہ جا کر پناہ حاصل کرے۔ تاہم اگر ہم مہاجرین حبشہ کے احوال کا بغور جائزہ لیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے تمام اجزاء کا اطلاق مہاجرین حبشہ پر بخوبی ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

۱. وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ مہاجرین حبشہ نے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہجرت کی۔ کیونکہ مکہ میں رہ کر اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ جو اسلام کی بنیادی تعلیم ہے جبکہ حبشہ میں قیام کے دوران وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے رہے۔

۲. مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ کا مصداق بھی مہاجرین حبشہ قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ تاریخ و سیرت کا مطالعہ اس امر کی بخوبی نشان دہی کرتا ہے کہ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کی مسلمانوں کو ایذاء رسانی عہد رسالت کی مکی زندگی کا ایک عظیم باب ہے۔

۳. لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ اس قرآنی حکم کا عملی منظر بھی مسلمانوں نے نہ صرف عہد رسالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا بلکہ یہ عمدہ سکونت انہیں قیامت تک میسر رہے گی۔ جس مکہ سے انہیں مجبوراً ہجرت کرنا پڑی، چند سالوں بعد وہی مسلمان فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور مسلمانوں نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی قیادت

۱۰ القرآن، سورۃ النحل، ۱۶:۴۱

میں "لاتثریب علیکم الیوم" کا نعرہ لگایا اور امن و سلامتی کا علم بلند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے جب بھی ہجرت اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے دیار غیر میں ان کی مدد اور یاوری کی اور انہیں بہترین سکونت سے بہرہ ور کیا۔

۴. ولأجر الآخرة اَكْبَـــرُ۔ اس آیت کریمہ کی عملی تعبیر و تشریح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں واضح فرمائی کہ جب وہ اپنے عہد خلافت میں مہاجرین کو ان کا سالانہ وظیفہ ادا کرتے تو انہیں فرماتے:

خذ بارک اللہ لک فیہ، ھذا ما وعدک فی الدنیا وما ادخرک فی الاخرۃ أفضل، تلا ھذہ الآیۃ۔

"یہ وظیفہ قبول کرلو اللہ تعالیٰ اسے آپ کے لیے بابرکت بنائے! یہ تو وہ ہدیہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دنیا میں دینے کا وعدہ فرمایا۔ البتہ جو چیز آپ کو آخرت میں دی جائے گی وہ اس سے کہیں بہتر ہے بعد ازاں خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ یہ قرآنی آیت تلاوت فرماتے تھے۔"

۵. لَوْ كَانُـــوْا يَعْلَمُوْنَ۔ انسان تو کوشش کرنے سے مکلف ہے کیونکہ "السعي منا والاتمام من اللہ" انسانوں کو صرف اپنے میدان میں کوشش کرنا ہوتی ہے۔ اس کی تکمیل اور اس کا ثمرہ تو اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہجرت حبشہ اختیار کرتے وقت مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یقیناً علم نہیں تھا جو انہیں اللہ تعالیٰ نے بعد میں اپنے فضل سے عطا فرمائیں۔ تب انہیں فضل ربانی کی وسعت کا علم ہوا۔

٦. اَلَّـــذِيْنَ صَبَـــرُوْا وَعَلٰى رَبِّـــهِـــمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، اس وقت وہ نہ صرف اپنا وطن مالوف چھوڑ کر گئے تھے بلکہ انہوں نے اپنے عزیز و اقارب اور اپنا مال و دولت بھی چھوڑا تھا۔ جو صبر کا اعلیٰ درجہ ہے نیز وہ حبشہ کے حالات و کوائف سے بالکل بے خبر تھے۔ انہوں نے توکل علی اللہ اسلام کے لیے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حبشہ میں مسلمانوں کو پر سکون زندگی سے نوازا بلکہ انہیں وہاں نجاشی اور حکومت حبشہ کا پورا پورا تحفظ، حمایت اور سرپرستی بھی حاصل تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ پر سکون حالات میں عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔

گذشتہ صفحات اور سطور میں ہم نے ہجرت حبشہ کے اسباب و عوامل، ہجرت حبشہ اولیٰ اور اس کے شرکاء اور بعض شرکاء کی مکہ واپسی پر روشنی ڈالی، اسی طرح ہم نے ہجرت حبشہ ثانیہ، اس کے شرکاء، ان کا حبشہ میں قیام اور حبشہ کے حکمرانوں کا مسلمانوں سے سلوک واضح کیا۔ دربار نجاشی کے واقعات، حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر، نجاشی کے حالات اور رسالت مآب ﷺ سے نجاشی کے تعلقات کو حیطہ تحریر میں لائے۔ مسلمانوں کی حبشہ سے مرحلہ وار مکہ اور مدینہ منورہ واپسی اور اس حوالے سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان اور ہجرت حبشہ کی فضیلت پر روشنی ڈالی نیز ہم نے

نجاشی کے خلاف اٹھنے والی بغاوت اور اس حوالہ سے حبشہ میں مقیم مسلمانوں کے رد عمل پر بھی روشنی ڈالی۔

اسوہ حسنہ اور ہماری زندگی کا مقصد صرف واقعات سیرت، حوادثِ سوانح اور اسوہ حسنہ کے امور بیان کرنا ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس ادنیٰ سی انسانی کاوش کا اولین مدعا یہ ہے کہ واقعات سیرت، حوادث سوانح حیات، اسوہ حسنہ اور تعامل صحابہ سے مسلمانوں کو جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ جادہ مستقیم آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ اور نشان منزل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ امر ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں کہ سیرت طیبہ کے تمام حوادث اور خصوصاً حیات رسول ﷺ کے بڑے بڑے اور نمایاں امور اور واقعات سے عصر حاضر کے مسلمانوں کو کیا رہنمائی ملتی ہے؟ آج کا مسلمان بہت سے پیچیدہ مسائل سے دوچار ہے وہ اسوہ حسنہ سے ان مسائل کا حل کیسے تلاش کر سکتا ہے؟ تاکہ یہ حقیقت راسخہ کھل کر مسلمانوں کے سامنے آ جائے کہ اسوہ رسول آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر وہ نہ صرف اپنا دین و دنیا سنوار سکتے ہیں بلکہ یہ حسنہ ہی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتا رہے گا۔

عصر حاضر میں نہ صرف یہ کائنات سمٹ کر ایک عالمی بستی کا نقشہ پیش کر رہی ہے، بلکہ ذرائع ابلاغ کی کثرت، ذرائع سفر کی سرعت اور سماجی میڈیا کی برق رفتاری نے انسانوں کو باہم اس قدر قریب اور مربوط کر دیا ہے کہ وہ آنِ واحد میں کائنات کے ایک کونہ سے کرۂ ارض کے دوسرے کنارے تک معلومات پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے۔ بلکہ انسان دیگر سیاروں اور ستاروں پر بھی کمند ڈال رہا ہے۔ نیز انسانی مہاجرت بھی انتہائی کثرت سے وجود میں آ رہی ہے جس کے تحت انسان عموماً اور مسلمان خصوصاً کرہ ارض کے ایک خطہ سے نقل مکانی کر کے دسرے خطوں میں جا کر آباد ہو رہے ہیں۔ جو غیر مسلم ریاستوں پر محیط ہیں۔ ہجرت حبشہ ان کے لیے ایک دستور العمل ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۱ میں بیان ہوا۔ جس کا حکم اگرچہ عام ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی آیت کریمہ کو مہاجرین حبشہ کے لیے قرار دیتے تھے۔

ہر دور کے اپنے تقاضے، اپنی ضرورتیں اور اپنے حالات ہوتے ہیں جن کی روشنی میں اس عہد کی ترجیحات اور بیانیہ تشکیل پاتا ہے۔ یہی امور انسان کی سوچ، قوت ارادی اور قوت کارکردگی کی نشان دہی بھی کرتے اور ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے انسانی عمل کو بیدار کرتے ہیں۔ ہمارے دور کا ایک انسانی المیہ یہ ہے کہ اس کرہ ارض پر معاشی تقسیم یا اقتصادی صورت حال یکساں نہیں ہے۔ انسانی آبادی واضح طور پر دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی آبادی کا تقریباً ساٹھ فیصد حصہ نہ صرف غربت کی لکیر سے نیچے رہتا ہے جبکہ چالیس فیصد آبادی کا حصہ عموماً مفلوک الحال انسانوں، ان کے وسائل اور خام مواد نیز عالمی سرمایہ سے استحصال کرتا ہے۔ اس عدم مساوات اور ناہمواری کے باوجود تیسری دنیا کے ماہرین، متخصص، ہنر مند افراد اور غیر ہنر مند اور بشری قوت سبھی اس امر پر مجبور ہیں کہ وہ پہلی دنیا کی طرف ہجرت کریں اور وہاں جا کر اپنی قسمت آزمائی کریں تاکہ وہ وہاں کام کر کے غربت سے چھٹکارا حاصل کریں۔ کیونکہ تیسری دنیا کی نسبت پہلی دنیا میں نہ صرف اجرت کے نرخ بہتر صورت میں مقرر ہیں بلکہ مالی اکائی کی شرح تبادلہ میں پستی کی وجہ سے بھی تیسری دنیا کے

افراد کو فائدہ ہوتا ہے۔ انہیں وجوہ کی بناء پر تیسری دنیا کی تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ بشری قوت بڑی مقدار اور تعداد میں پہلی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جو پہلی دنیا کے لیے بھی سوہانِ روح اور درد سر بنی ہوئی ہے۔

جبکہ اس کے دوش بدوش غریب ممالک سے امیر ریاستوں کی طرف ہجرت کرنے والے غیر مسلم افراد عموماً اور مسلم افراد خصوصاً گوناگوں مسائل اور مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ترقی یافتہ ممالک اور امیر ریاستیں عام طور پر غیر مسلم شمار ہوتے ہیں۔ جنکی تہذیب و ثقافت، بود و باش، اخلاقی اقدار، سماجی امور، میل ملاپ کے طریقے، ملازمت کے اصول و قواعد، شہریت کے قواعد و ضوابط نیز پسند اور عدم پسند کے معیارات اپنے ہوتے ہیں جو نہ صرف غریب ریاستوں کے باشندوں سے یکسر جداگانہ ہوتے ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے دینی احکام، مذہبی امور، اخلاقی اقدار اور سماجی رسوم ورواج سے بھی یکسر مختلف اور جداگانہ ہوتے ہیں جو مسلم مہاجرین کے لیے اجنبیت اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔

خاتم المرسلین ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ اور ہر ہر عمل مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ اور انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں خود جو اعمال سرانجام دیے یا کسی اور انسان کو کوئی کام کرنے یا کسی کام سے رک جانے کی تعلیم دی یا آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی کام سرانجام دیا گیا اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی نیز آپ کے علم میں آیا کہ اسلامی معاشرے میں یہ یہ امور انجام دیے جارہے ہیں تو آپ نے ان امور کی ممانعت نہیں فرمائی مزید برآں حالات و کوائف کی روشنی میں آپ نے بعض امور کی ادائیگی کی تعلیم یا ترغیب دی۔ واضح رہے کہ یہ سب امور اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہیں اور مسلمان ان سب کی اتباع کرنے کے پابند ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم مسلمانوں کو تعلیم دیتا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔[11]

"اور رسول جو کچھ تمہیں عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں تو تم باز رہو۔"

قرآنِ حکیم کے عطاء کردہ اس اصول کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کا مسلمانوں کو دوبارہ ہجرت حبشہ کا حکم دینا، اپنی لخت جگر سیدہ رقیہ اور اپنے داماد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو دونوں بار ہجرت حبشہ کے لیے روانہ کرنا، ان کی ہجرت کو اللہ تعالیٰ اور اپنے لیے ہجرت قرار دینا، حضرت جعفر بن ابی طالب کو نجاشی کی طرف روانہ کرنا، انہیں شاہِ حبشہ کے نام خط دینا، خط میں مسلمانوں کی مہمان نوازی کرنے کی تاکید کرنا، مسلمانوں کا حبشہ میں طویل عرصہ مقیم رہنا، مسلمانوں کا شاہِ حبشہ نجاشی کی حمایت کرنا، مسلمانوں کا مدینہ منورہ اور حبشہ میں نجاشی کی فتح کے لیے دعائیں کرنا، فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے ہمراہ واپسی پر رسول اللہ ﷺ مسرت کا اظہار کرنا، نیز مہاجرین حبشہ کو دوگنے اجر و ثواب کی خوش خبری سنانا، مزید برآں سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۱ کا نازل ہونا، چند ایسے امور ہیں جو ہجرت حبشہ کے حوالے

---

۱۱ القرآن، سورۃ الحشر ۷:۵۹

سے "اسوہ حسنہ "کالازمی حصہ قرار پاتے ہیں۔ جنہیں اپنانے اور ملحوظِ خاطر رکھنے کے لیے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر پابند ہیں۔

عصر حاضر میں کائنات سمٹ کر ایک عالمی قریہ کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی سرعت، ذرائع نقل و حمل کی کثرت اور انسانوں کی سفر کرنے کی چاہت نے کرہ ارض کی وسعتوں کو نہ صرف سمیٹ کر ایک بستی میں تبدیل کر دیا ہے بلکہ انسانی ضرورتوں، بشری تقاضوں، تجارتی سہولتوں اور دولت کی فراوانیوں نے بھی انسان کو سفر اختیار کرنے کا خوگر اور عادی بنا دیا ہے۔ مزید بر آں اس کائنات میں امیر و غریب ممالک میں زندگی کی سہولتوں کے تفاوت، روزگار کی فراہمی، تجارت کے مواقع، نیز سہولیات زندگی نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ انسان نہ صرف بکثرت سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بلکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے اور ایک ملک سے دوسرے ملک بکثرت ہجرت بھی کرنے لگے ہیں۔ نیز ان کاروائیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ لہذا انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً ایک لائحہ عمل درکار ہے۔

اس بدیہی حقیقت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کی تعداد چھ ارب نفوس ہے تو ان میں دو ارب کے قریب انسان اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ مسلمان ۵۶ مسلم ریاستوں اور کرہ ارض کی تمام غیر مسلم ریاستوں میں آباد ہیں اور ایک محتاط اندازے کے مطابق ان دو ارب مسلمانوں میں سے آج تقریباً چالیس فیصد یعنی تقریباً آٹھ ملین مسلمان غیر مسلم ممالک میں رہائش پذیر ہیں اور ان غیر مسلم ممالک کی سیاسی، معاشی، سماجی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی کی ترقی اور نشو و نما میں وہ بھرپور انداز میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ سبھی عالمی تخمینے اور ترقیاتی ادارے مسلمانوں کے اس کردار کو سراہتے اور اس کا اعتراف کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ اسلام ایک اجتماعی، امن پسند اور محنت کی حوصلہ افزائی کرنے والے دین کی حیثیت سے مسلمانوں کو ایسا کرنے کے لیے نہ صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ وہ غیر مسلم ممالک میں سکونت اختیار کرنے والے مسلمانوں کو اپنی اپنی ریاست کا مطیع و فرماں بردار اور وفاشعار بننے کی بھی تعلیم دیتا ہے، جس کی چند جھلکیاں ہجرت حبشہ کے واقعہ میں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ہجرت حبشہ کی روشنی میں ایسے بعض امور کی یہاں نشان دہی کی جاتی ہے:

اسلام رہبانیت کا دین نہیں ہے بلکہ وہ اجتماعیت کا ضابطہ حیات ہے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کو باہم مل کر زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ حقوق اللہ کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی بھی تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی، زکوۃ ادا کرنا، روزہ رکھنا، حج کے مناسک کی تکمیل کرنا، امتِ مسلمہ کا تصور، عالمی اخوت کا رشتہ، مسلمان کی تعظیم و تکریم کرنا، دوسرے ممالک کے مفلوک الحال اور مصیبت زدہ مسلمانوں کی مدد کرنا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ادارہ قائم کرنا اور مسلمانوں کی فلاح بہبود کو پروان چڑھانا، اسلام کی اجتماعیت کے چند ایسے پہلو ہیں جو صرف نظریاتی نہیں ہیں بلکہ ان اجتماعی امور کا عملی مظاہرہ اسلامی معاشروں کا طرۂ امتیاز شمار کیا جاتا ہے۔ ان مسلم خصوصیات سے تمام انسان مستفید

ہوتے ہیں۔

مسلم اخوت کو پروان چڑھانے کے ساتھ ساتھ اسلام انسانی برداری کے رشتہ کو بھی نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ وہ اس رشتہ کو پروان بھی چڑھاتا ہے کیونکہ سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۷۰ یہ حقیقت بیان کرتی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔[۱۲]

"اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر بہت سی برتری دی۔"

مزید برآں قرآن کریم یاایہا الناس، یاایہا الانسان، یابنی آدم اور بنی آدم کے الفاظ استعمال کر کے نہ صرف تمام انسانوں کو مخاطب کرتا ہے بلکہ وہ انسانوں کو ایسے اصول، قواعد، ضابطے اور طریقے بھی سکھاتا ہے جن پر عمل کر کے انسانوں کی فلاح و بہبود کو بھی پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔ بلکہ مسلمانوں اور انسانوں کے مابین انسانی رشتوں کو بھی پروان چڑھایا جاسکتا ہے اور مزید فروغ دیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف اسلام مسلمانوں کو بھی انسانیت اور اجتماعیت کا درس دیتا ہے کہ " اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ "[۱۳] "تمام انسان اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔"

اس لیے انسان میں باہمی ربط وضبط اور باہمی تعاون کا استوار ہونا قدرتی طور پر ضروری امر ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔[۱۴]

اور باہمی تعاون کرنے کے احکام جمع کے صیغوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ جو اس امر کی علامت ہیں کہ تمام انسانوں میں یہ دونوں قسم کا تعاون جاری رہنا چاہیے کیونکہ مسلمان ایک الگ ملت ہیں اور غیر مسلم ایک الگ ملت ہیں۔ اس لیے ان دونوں میں اچھائی کے فروغ اور برائی کے استحصال کے لیے تعاون ناگزیر ہے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے دین کے تحفظ کے ساتھ ساتھ غیر مسلم انسانوں سے بھی ربط وضبط جاری رکھ سکتے ہیں۔ لیکن دین پہلی ترجیح ہو گی اور اگر کسی بھی قسم کا انسانی میل ملاپ دین کو نقصان پہنچائے تو یہ تعاون اثم وعدوان کے زمرہ میں آئے گا جس سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا ہو گا۔

مزید برآں اسلام نے مسلمانوں کو روئے زمین پر سفر کرنے کی تعلیم دی ہے کہ "سیروا فی الارض" وہ زمین میں چلیں

---

۱۲ القرآن، سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷:۷۰

۱۳ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزي، مشکاۃ المصابیح، محقق: محمد ناصر الدین الألباني (بیروت: المکتب الإسلامي، ۱۹۸۵)، ۳/۱۳۹۲، حدیث نمبر ۴۹۹۸.

۱۴ القرآن، سوۃ المائدۃ ۵:۲

پھریں۔ تاکہ وہ انسانی تجربات سے آگاہی حاصل کر کے اپنے لیے مفید راستہ اختیار کر سکیں۔ اس لیے مسلمانوں کو نہ صرف زمین کی سیر و سیاحت کی اجازت دی گئی ہے بلکہ یہ آیت کریمہ اور اس طرح کی دیگر متعدد آیات مسلمانوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل ہونے کی بھی اجازت دیتی ہیں۔

ان تعبیرات کی روشنی میں صرف یہ رائے قائم کرنے میں ہم حق بجانب ہوں گے کہ یہ آیت کریمہ اپنے عمومی مفہوم کے باوجود اپنے منطوق کے لحاظ سے مہاجرین حبشہ کے حالات کی عکاس ہے۔ ان کی فضیلت کی ضامن ہے اور انہیں ان نعمتوں کا حقدار بناتی ہے جو اس آیت میں مذکورہ ہیں۔

مہاجرین حبشہ کی مذکورہ بالا فضیلت کے دوش بدوش ترجمان حقیقت حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے بھی ان کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ کتب تاریخ وسیرت اور ادب حدیث نبوی نے ایک واقعہ یوں محفوظ کر رکھا ہے:

ہجرت حبشہ کی تکمیل کے بعد جو مہاجرین مدینہ منورہ واپس لوٹے ان میں سیدہ اسماء بنت عمیس اور ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھیں۔ قیامِ مدینہ کے دوران ایک روز سیدہ اسماء بنت عمیس ام المومنین سیدہ حفصہ سے شرف ملاقات پانے کے لیے گئیں کیونکہ یہ دونوں ہجرت حبشہ کے دوران حبشہ میں اکٹھی قیام پذیر رہی تھیں۔ اسی دوران سید عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حفصہ کے ہاں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ "یہ بی بی کون ہے؟" بیٹی نے اپنے والد گرامی کو بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! وہی حبشہ والی، سمندر والی ہیں، سیدہ اسماء بنت عمیس نے جواب دیا کہ ہاں وہی!۔ اس پر سیدنا عمر نے ازراہِ مزاح فرمایا کہ ہمیں تم پر فضیلت ہے کہ ہم نے مدینہ رسول کی طرف آپ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ یہ سن کر سیدہ اسماء بنت عمیس کو غصہ آگیا اور کہنے لگیں کہ ہاں! آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور جاہلوں کو علم کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں لیکن ہم لوگ صرف خدا اور اس کے برگزیدہ رسول ﷺ کی رضاجوئی کے لیے سالہا سال تک غریب الوطنی کی خاک چھانتے رہے، سخت سے سخت مصائب کا سامنا رہا اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا تاہم ہر تکلیف اور مصیبت کا مقابلہ صبر و استقلال اور پامردی سے کیا گیا۔ اسی دوران سید المرسلین ﷺ بھی وہاں تشریف لائے۔ سیدہ اسماء بنت عمیس نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ عمر یوں کہتے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عمر اور ان کے ساتھیوں نے ایک بار ہجرت کی جبکہ اہل سفینہ نے دو ہجرتیں کیں۔ اس لیے انہیں فضیلت حاصل ہے۔ جب فرمان رسول کا چرچا ہوا تو بہت سے صحابہ کرام نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر آکر اس فرمان نبوی کی براہِ راست تصدیق چاہی۔ سیدہ اسماء کہتی ہیں کہ مہاجرین حبشہ کے لیے دنیا میں آپ کے ان الفاظ سے زیادہ حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی اور چیز نہ تھی۔

ہجرت حبشہ چونکہ انہیں حالات کی عکاس ہے جن کا نقشہ مذکورہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے بھی

کسمپرسی اور مفلوک الحالی میں مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے انسانی ظلم وجبر اور استحصالی قوتوں سے نجات حاصل کی تھی اور غیر مسلم ریاست میں غیر مسلم حکومت کے اقتدار میں زندگی کے قیمتی سال بسر کیے تھے اور وہاں قیام کے دوران میں انہوں نے نہ صرف اپنی خودداری، عزت نفس اور اپنی دینداری کو برقرار رکھا بلکہ حبشہ کی حکومت، قوانین، سماجی ڈھانچہ، روایات اور عزت وعادت کی بھی پیروی کی، بلکہ اپنے حسنِ اخلاق، سچائی اور کردار سے حبشہ کے حکمرانوں اور باشندوں کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے دلدادہ اور پرستار ہو گئے کہ حبشہ آج بھی مسلمان ملک شمار ہوتا ہے اور اسلامی تنظیم کا نفرس کا رکن ہے۔ اس طرح سے ہماری رائے میں مذکورہ بالا صفحات میں بیان کردہ ہجرت حبشہ کے تمام واقعات غیر مسلم ریاستوں میں مقیم مسلمانوں کے لیے دستور العمل کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس کی تفاصیل ذیل کی سطور میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ہجرت کی معنویت

انسانی تجربات اس امر کے شاہد ہوتے ہیں کہ "سفر وسیلہ ظفر" ہوتا ہے۔ سفر اختیار کرنے سے ہی انسان پر نہ صرف اس کائنات کے پوشیدہ راز آشکار ہوتے ہیں بلکہ وہ اس کائنات کا مشاہدہ کر کے ہی اس کے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی حاصل کرتا ہے کیونکہ یہ کائنات ذات وصفاتِ ایزدی کا مظہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف "سیرو ا في الارض" کا حکم دے کر مسلمانوں کو سفر وسیاحت اور نقل وحمل کی اجازت دی ہے بلکہ متعدد قرآنی آیات کریمہ میں یہ بھی ارشاد ربانی ہے: فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ۔[15] کہ مسلمان اس امر کا مشاہدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام سے روگردانی اور انکار کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا مشاہدہ کرنے والوں کو اس امر کی بھی دعوت دی:

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ۔[16]

"زمین میں سفر کر کے دیکھو اللہ کیوں کر پہلے بناتا ہے پھر اللہ دوسری اُٹھان اٹھاتا ہے۔"

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا بلکہ حضرت محمد ﷺ نے خود بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور آپ کے ساتھ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے حکم سے آپ کے ساتھ ہجرت فرمائی نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا۔[17]

---

۱۵ القرآن، سورۃ القصص ۲۸:۴۰

۱۶ القرآن، العنکبوت ۲۹:۲۰

۱۷ القرآن، سورۃ الانفال ۸:۷۲

"اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا تر کہ کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ۱۸

"اور وہ جو ایمان لائے اور مہاجر بنے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔"

یہ دینی احکام خاص بھی ہیں اور عام بھی۔ یوں تو ان میں سے آخر کا اطلاق ہجرت مدینہ پر ہی ہوتا ہے لیکن اپنے عمومی مفہوم میں ان آیات کا تمام مسلمانوں کو خطاب ہے۔ ہجرت حبشہ کے تناظر اور ان کے احکام کی روشنی میں ہم عصر مسلمانوں کو ان امور سے دینی رہنمائی حاصل ہے:

أ. جس ملک یا خطہ میں مسلمان آباد ہوں، وہاں انہیں دینی، ثقافتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی اور سماجی امور میں دشواریوں کا سامنا ہو اور خصوصاً دینی امور کی بجا آوری دشوار ہو جائے تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ ایک جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ جا کر آباد ہو جائیں نیز اس امر پر بھی مسلم امہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی مسلمان کو اسلامی ریاست کی بجائے غیر مسلم ریاست میں معاشی، تجارتی، کاروباری اور روزی کمانے کے بہتر مواقع ملتے ہیں تو ایسے مسلمان مسلم ریاست سے ہجرت کر کے غیر مسلم ریاست میں جا کر آباد ہو جائیں تا کہ وہ اپنے لیے اور اپنے لواحقین کے لیے زندگی بسر کرنے کے بہتر مواقع سے استفادہ کر سکیں۔

ب. عصر حاضر میں حصول تعلیم کے لیے غیر مسلم ریاستوں کی طرف منتقل ہونے کے رجحان میں مسلمانوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے اور ہر مسلم طالب علم ترقی یافتہ ریاستوں کے تعلیمی اداروں سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا متمنی اور کوشاں ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے تعلیمی اداروں سے علمی استفادہ کرنا مسلم طلباء کا حق ہے کیونکہ حکمت اور دانائی مسلمان کی گم شدہ متاع ہے اسے وہ جہاں سے بھی میسر آئے اسے وہ حاصل کر لینی چاہیے۔ لہذا اس امر پر بھی مسلم امہ کا اتفاق ہے کہ مسلم طلبہ غیر مسلم تعلیمی اداروں میں داخلہ لے کر اعلیٰ سند حاصل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دوران تعلیم اپنے ایمان کی دولت کو ضائع نہ ہونے دیں، امانت و دیانت پر قائم رہیں، اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کریں نیز وہ طلبہ اپنی تعلیم و تربیت مکمل کر کے ترجیحی بنیادوں پر مسلم اداروں میں خدمات انجام دیں تا کہ ان کی صلاحیتوں، قابلیتوں اور علمی استعداد سے مسلمان مستفید ہوں۔ نیز وہ مسلمانوں کی علمی و فنی قوت میں اضافہ کریں۔

ج. تعلیمی اسفار کے ساتھ ساتھ ہجرت حبشہ اور مذکورہ بالا دینی احکام سے بھی مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ کسی ایک

۱۸ القرآن، سورۃ الانفال ۸: ۷۴

جگہ ہی مقیم نہ رہیں۔ بلکہ حسبِ حالات اور بوقت ضرورت وہ سفر بھی اختیار کریں۔ اس دینی مواد سے مسلمانوں کو نقل و حمل اور سیر و سیاحت کی تعلیم و ترغیب ملتی ہے۔ نیز مسلمانوں کو اس امر کی بھی تعلیم و ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اس کائنات میں چل کر مناظر قدرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ اور نظارہ کریں تاکہ وہ اپنے خالق کی قدرتوں سے آگاہ ہوں اور اپنے اللہ تعالیٰ کی قوتوں اور قدرتوں کا اعتراف کریں۔

د. ہجرت حبشہ سے یہ درس بھی کھل کر سامنے آتا ہے کہ

اَلَمۡ تَکُنۡ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوۡا فِیۡھَا۔ ۱۹

اور کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں ہے کہ تم اس میں نقل مکانی کر جاؤ۔

اس آیت کریمہ کی رو سے نہ صرف مسلمانوں کو نقل و حرکت کی آزادی حاصل ہے بلکہ نامساعد حالات میں انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنے کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ اس لیے اسلام انسانی اور اجتماعی دین ہونے کی حیثیت سے نہ صرف مسلمانوں کو کرہ ارض پر نقل و حرکت کی اجازت دیتا ہے بلکہ وہ مسلمانوں کو بہتر اور عمدہ مواقع کی تلاش کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ چاہے یہ بہتر مواقع مسلم دنیا میں میسر ہوں یا غیر مسلم ممالک میں۔

حبشہ کا انتخاب کیوں؟

یوں تو مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ

ع ہر ملک ملک ماست کہ ملکِ خدائے ماست

یہ کرہ ارض در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور مسلمان عقیدۂ توحید کے تحت صرف ایک خدا کو مانتے ہیں۔ اس لیے یہ پوری روئے زمین مسلمانوں کی اپنی زمین ہے۔ لہذا وہ پورے کرہ ارض پر حسب منشاء آباد ہونے اور منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی اسلامی ادب میں قومی ریاستوں کا کوئی تصور نہیں ملتا، بلکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ پورا کرہ ارض ایک اکائی ہے جس پر اسلامی پرچم لہرا رہا ہے اور کلمہ طیبہ کی ادائیگی ایک ایسی سفری دستاویز ہے جو اقوام متحدہ کے سفری وثیقہ کی طرح ہر جگہ یکساں قابلِ عمل ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مختلف ریاستوں کے قیام کا تصور ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ وہ عہد رسالت سے پہلے بھی موجود تھا چنانچہ روم، یونان، ایران اور ہندوستان کی ریاستیں پہلے سے قائم تھیں۔ عہد خلافت میں بہت سی ریاستوں کو فتح کرکے اسلامی ریاست کا حصہ بنایا گیا۔ نیز مختلف ریاستوں اور ممالک کا وجود پوری انسانی تاریخ کے ہر دور میں ملتا ہے۔ مزید برآں آج بھی ریاستوں کا اجتماعی اور انفرادی تصور قائم ہے۔ ان ریاستوں کو عموماً قومی ریاستوں کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تنظیم کانفرنس (OIC) کی ۵۷ ریاستیں رکن ہیں۔ جبکہ اقوام متحدہ ارکان ریاستوں کی تعداد کسی طرح ۲۵۰ ریاستوں سے کم نہیں ہے۔ اس لیے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کرہ ارض پر

---

۱۹ القرآن، سورۃ النساء ۴:۵۷

بیک وقت متعدد اور متنوع ریاستیں موجود رہتی ہیں۔

اب یہ سوال قدرتی طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ جب عہد رسالت میں بہت سے ممالک قائم اور متعدد اور متنوع ریاستیں موجود تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم کیوں دیا؟

اہل علم نے اس سوال کے جواب میں متعدد اسباب وجوہ بیان کی ہیں۔ ان کی رائے ہے کہ نہ صرف مکہ کے باشندے حبشہ سے پوری طرح واقف تھے کہ وہ حبشہ سے اور حبشہ کے راستے سے دوسرے ممالک سے تجارتی کاروبار کرتے تھے مزید برآں مکہ اور حبشہ کے مابین بحری جہاز اور سمندری کشتیاں بھی رواں دواں رہتی تھیں۔ جبکہ بعض روایات میں یہ بات بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی ایک بار حبشہ کا تجارتی سفر اختیار کیا تھا۔ اس لیے آپ حبشہ کے جغرافیائی محل وقوع، وہاں جانے کے لیے سفری سہولتوں نیز وہاں کے حالات و کوائف سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ اختیار کرنے کا حکم دیتے وقت بھی س امر کی وضاحت فرمائی تھی کہ حبشہ امن و سلامتی کی سرزمین ہے اور وہاں کا حکمران نجاشی ایک عادل حکمران ہے۔ نہ وہ خود کسی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور نہ ہی اپنی رعایا میں سے کسی کو دوسروں پر ظلم کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

ان زمینی حقائق پر ان امور کا مزید اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ مشیت ایزدی اس امر کی متقاضی تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں جائیں، رؤساء مکہ انہیں واپس لانے کے لیے اپنا سفارشی مشن حبشہ بھیجیں، نجاشی کے دربار میں مسلمانوں اور سفراء مکہ کے مابین اسلام کی حقانیت اور صداقت پر مکالمہ ہو۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں مسلمانوں کا موقف واضح ہو اور مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہے۔ جس کے نتیجہ میں نجاشی اسلام قبول کرے۔[۲۰] حبشہ ایک مسلمان ریاست کی حیثیت سے دنیا کے نقشہ پر ابھرے اور اسلامی تنظیم کانفرس کا رکن بنے۔

ہجرت مدینہ کے مقدمہ کے طور پر ہجرت حبشہ عمل میں آئی جس کے نتیجے میں نہ صرف مسلمانوں کو کثیر المذہبی معاشرہ میں وقت گزارنے کا اہم موقع ملا جن سے اسلام کی حقانیت، تفوق اور برتری عیاں ہوئی، بلکہ دنیا کے دو بڑے عالمی مذاہب۔ مسیحیت اور اسلام۔ کے پیروکار باہم مل کر زندہ رہے اور ان دونوں نے انسانی ثقافت کے میدانوں میں ایک دوسرے پر اثر قبول کیا اور باہمی اثر پذیر بھی ہوئے۔ جب مسلمانوں اور مسیحیوں کا حبشہ میں باہم ربط وضبط استوار ہوا تو نہ صرف مسلمانوں کو وہاں پر سکون فضا میسر آئی کہ وہ بصد اطمینان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں بلکہ اسلام کو بھی غیر مسلم مسیحی معاشرے میں پہنچنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس تجربہ سے مسلمانوں نے ہجرت مدینہ کے بعد کثیر الجہتی معاشرے کے قیام میں فائدہ اٹھایا اور ہجرت کے تجربہ کو کامیاب بنایا۔

---

۲۰ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱/ ۲۰۷.

مسلمانوں کا ریاست حبشہ سے برتاؤ

یہ عنوان غالباً غیر مسلم ریاستوں میں مقیم مسلمانوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ غربت، بے روزگاری، کم اجرت ملنے، خاندانی جھگڑوں، ریاستی جھمیلوں یا سیاسی نزاعات کی وجہ سے تعلیم یافتہ، ہنر مند اور ماہر مسلمان بکثرت مسلم ممالک سے ہجرت کر کے غیر مسلم ممالک میں جا کر آباد ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح عہد رسالت میں مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ جا کر آباد ہو گئے تھے۔ کیونکہ مسلمان حبشہ میں قیام کے دوران نہ صرف اہل حبشہ سے مل جل کر پر سکون زندگی بسر کرتے رہے، اپنے لیے وسائل حیات خود پیدا کرتے رہے اور انہوں نے حبشہ کی تعمیر و ترقی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ بلکہ یوں اسلام اپنے ابتدائی تشکیلی دور میں حبشہ میں ہی داخل ہو گیا تھا۔ مزید بر آں بادشاہ حبشہ اور اہل حبشہ نے چونکہ مسلمانوں سے عمدہ سلوک کیا تھا، انہیں حبشہ میں پناہ دی تھی، مسلمانوں کو وسائل زندگی فراہم کیے تھے اور مشکل وقت میں وہ ان کے کام آئے تھے[21]، اس لیے نہ صرف مسلم مہاجرین حبشہ کو سلطنت حبشہ سے ہمدردی رہی بلکہ دیگر مسلمان بھی سدا ان کے معاون، حامی اور خیر خواہ رہے۔ چنانچہ جب باغیوں نے شاہ حبشہ نجاشی کے خلاف بغاوت کی تو نہ صرف حبشہ میں مقیم مسلمانوں نے اس وقت کی حکومت حبشہ کے ساتھ خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا اور دن رات ان کی کامرانی اور فتح و نصرت کے لیے دعائیں کیں بلکہ دیگر مقامات پر مقیم مسلمان بھی ان کی فتح کے لیے دعا گو رہے۔ بلکہ انہوں نے نوجوان صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ کی طرف بھی بھیجا تاکہ وہ وہاں کے چشم دید واقعات ملاحظہ کر کے واپس آئیں اور مسلمانوں کو نجاشی کی فتح اور بغاوت کے فرو ہونے کا مژدہ سنایا تو نہ صرف مسلمان دل و جان سے خوش ہوئے بلکہ انہوں نے اس فتح و کامرانی پر خوشی کا بھی اظہار کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجا لائے۔[22]

مزید بر آں جب مسلم مہاجرین حبشہ میں مقیم تھے اس دوران دو مسلمان اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ اس سنگین جرم پر مسلمانوں نے نہ کوئی احتجاج کیا، نہ کوئی قانونی چارہ جوئی کی اور نہ حکومتِ حبشہ سے کوئی فریاد کی۔ بلکہ ریاست کے فرماں بردار شہریوں کی طرح اس ارتداد کو مشیت ایزدی سمجھ کر صبر و شکر سے قبول کر لیا۔ نیز ان کی رفیقہ ہائے حیات نے بھی کوئی خرابی پیدا نہیں کی بلکہ وہ دونوں بھی پر امن انداز میں اپنے شوہر سے جدا ہو گئیں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ صلہ دیا کہ وہ دونوں "امہات المومنین" کے ارفع و اعلیٰ منصب پر فائز ہوئیں۔

مسلمان حبشہ کے شاہی دربار میں

اہل مکہ نے اپنی اعلیٰ سطحی سفارت حبشہ بھیجی تھی۔ تاکہ وہ حبشہ ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کو واپس مکہ لائیں۔

---

٢١ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، محقق. د. عبد المعطي قلعجي (بيروت: دار الكتب العلمية،١٩٨٨)، ٢/ ٣٠٠.

٢٢۔ ابن هشام، السيرة النبوية، ١/ ٣٣٨.

چنانچہ یہ دونوں سفیر یہ چاہتے تھے کہ شاہ حبشہ ان مسلمانوں سے احوال و کوائف معلوم کیے بغیر مسلمانوں کو مکی سفیروں کے حوالے کردے۔ تاہم نجاشی نہایت دانا، زیرک اور انصاف پرور حکمران تھا۔ چنانچہ اس نے مسلم مہاجرین کو مکی سفراء کی موجودگی میں نہ صرف اپنے دربار میں طلب کیا بلکہ مسلمانوں اور مکی سفراء کے مابین مکالمہ کا بھی اہتمام کیا۔ اگرچہ یہ مرحلہ مسلمانوں کے لیے انتہائی کٹھن تھا۔ تاہم ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق مسلمانوں نے نہ صرف سچی بات پیش کرنے کا عزم صمیم کیا بلکہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں اور اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کیا اور ان کا نجاشی کے دربار میں پیش کردہ تاریخی خطبہ آج بھی اسلام کی حقانیت اور صداقت کی زندہ مثال ہے۔

مسلمانوں کے ترجمان حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اپنے سوالات کے ذریعے سے مکی سفیروں کو نہ صرف لاجواب کیا، بلکہ اپنا تاریخی خطبہ دیا جن میں عرب قوم کے برے اعمال اور اسلام کے اصلاحی امتیاز کو اس موثر انداز میں بیان کیا کہ نجاشی اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس عادل بادشاہ نے مسلم مہاجرین کے حق میں اور مکی سفیروں کی درخواست کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے مسلمانوں کو اس امر کی اجازت دی کہ جب تک چاہیں حبشہ میں مقیم رہیں حبشہ میں ان کی سکونت کو پرسکون بنانے کے لیے بہت سی سہولتوں کا بھی اس نے اعلان کیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے حبشی باشندوں پر جرمانہ عائد کیا۔ جبکہ مکی سفراء کو ان کے لائے ہوئے ہدایا اور تحائف واپس کرتے ہوئے بے نیل و مرام اپنے وطن مکہ واپس لوٹ جانے کی ہدایت کی۔[۲۳]

مکی سفارتی مشن کے سربراہ عمرو بن العاص نے دوسرے دن نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ معلوم کرنے کی استدعاء کی تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے بارے میں نہ صرف مسلمانوں کے عقائد پورے یقین و اذعان کے ساتھ بیان کیے بلکہ نجاشی کے مطالبہ پر سورہ مریم کی ابتدائی چند آیات کی تلاوت پیش کر کے نجاشی اور حاضرین کو بے حد متاثر کیا۔ جس کے جواب میں نہ صرف نجاشی نے مسلمانوں کے عقائد کی تائید کی بلکہ قرآن کریم اور تورات کو ایک شمع کا نور قرار دیا اور اس امر کا برملا اعتراف کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام من و عن ایسے ہی ہیں جیسا کہ مسلمانوں نے ان دونوں کے اوصاف بیان کیے۔[۲۴] نیز مسلمانوں نے نہ صرف اسلام کا پیغام نجاشی کے دربار میں موثر ترین اسلوب میں پہنچایا بلکہ شاہ حبشہ کو سجدہ نہ کر کے اسلام کا پیغام توحید بھی عملی اسلوب میں عام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۲۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۳۵۹

۲۴ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۳۶۰

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [25]

کہ مسلمانوں کے معاملات اور دینی امور ان کے باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔"

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

وفي التشاور بركة

"مشورہ کرنے میں برکت ہوتی ہے۔"

ان دینی احکام پر حبشہ میں قیام پذیر مسلمانوں کو جب نجاشی نے اپنے دربار میں مکی سفیروں کی موجودگی میں حاضر ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے امر کی تعمیل کرنے کے لیے باہم مشورہ کیا۔ چنانچہ سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو مکی سفیروں کی موجودگی میں دوبارہ دربارِ نجاشی میں بلایا گیا۔ چونکہ یہ ایک انتہائی اہم اور سنجیدہ معاملہ تھا۔ اس لیے دونوں بار مسلم مہاجرین نے مشورہ کیا اور اس اہم مشاورت میں تمام مسلمانوں نے شرکت کی۔ مسلمانوں کے نظامِ مشاورت کی رو سے" المستشار موتمن "جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے تو اس پر امانت کا بارِ گراں ڈال دیا جاتا ہے نیز ہر مشورہ کے بارے میں مشیر کی رائے اس کے پاس ملت اسلامیہ کی امانت ہوتی ہے جسے پوری صداقت و دیانت سے ادا کرنا ہر مسلمان کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دربارِ نجاشی میں حاضر ہونے سے پہلے مسلمانوں نے باہم مشاورت کی اور ہر مسلمان نے اپنی رائے اور دانست کو پوری آزادی سے کھل کر بیان کیا اور مشاورت کا حق ادا کیا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ مشاورت میں متعدد اور متنوع آراء سامنے آتی ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ [26]

"کہ اے نبی اہم امور میں مشورہ کر لیا کرو جب آپ مشورے کے بعد ایک حتمی اور متفقہ رائے قائم کر لیں تو آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔"

مسلمانوں نے ایسے نازک مواقع پر دوبار مشاورت کی دونوں بار متنوع آراء سامنے لائیں گئیں۔ تاہم مسلمانوں نے طویل مشاورت کے بعد اسلام کے حقیقی پیغام کو عام کرنے پر اتفاق کیا اور جن آرا پر مسلمانوں کے مابین اتفاق ہوا ان کے ترجمان نے دونوں بار وہی آراء نجاشی کے دربار میں مکی سفراء کی موجودگی میں پیش کیں۔ [27] اللہ تعالیٰ نے اس مشاورت، اجتماع امت اور اسلامی احکام کی صداقت بیان کرنے میں برکت دی۔ جس کی بدولت نہ صرف اسلام کے روح پرور پیغام دربار نجاشی میں پوری قوت کے ساتھ پیش کیا گیا بلکہ اسے شرف قبولیت بھی حاصل ہوا اور نجاشی نے ایک جانب نہ صرف مسلمانوں کی پوری پُشت

---

۲۵ القرآن، سورۃ شوریٰ ۴۲:۳۶

۲۶ القرآن، سورۃ عمران ۳:۱۵۹

۲۷ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/۳۵۷

پناہی کی بلکہ آخر کار دوسری طرف نجاشی نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ جو مشاورت کی برکت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزیمت اور اسلام کی لازوال صداقت کی وجہ سے ممکن ہوا کہ شاہ حبشہ نجاشی مسلمان ہوئے۔

مسلمانوں کو پناہ دینا

حبشہ میں مہاجر مسلمانوں کو پناہ دینا ایک عظیم تاریخی واقعہ ہے جس کا سہرا شاہ حبشہ نجاشی کے سر ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ جو حُسنِ سلوک کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اس حُسنِ سلوک کا عظیم صلہ دیا، اس کے دل کو اسلام کی طرف موڑ دیا اور اس نے توفیق ایزدی سے اسلام کے روح پرور پیغام کو قبول کرتے ہوئے کلمہ توحید کا " اقرار باللسان و تصدیق بالقلب و عمل الجوارح" کے مطابق اور دل و جان سے اعتراف کیا۔ وہ مسلمان ہو کر اس کائنات سے رخصت ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جو اس کی آخرت کی مغفرت کی ضمانت ہے۔

نجاشی کا مسلمان مہاجرین کو پناہ دینا

اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ نجاشی نے مسلم مہاجرین کو حبشہ میں اس وقت پناہ دی جب ان پر مکہ میں رہنا انتہائی دشوار ہو گیا تھا اور یہ روئے زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان کے لیے تنگ ہو چکی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کا یہ احسان عظیم ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ واقعہ مذہبی ہم آہنگی اور انسان دوستی کی ایک لازوال اور اعلیٰ مثال ہے۔ اس پناہ سے یقیناً اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہوا۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ مسلمانوں کو حبشہ میں پناہ دینے سے خود نجاشی کو بھی نفع عظیم حاصل ہوا۔ نہ صرف انسانی تاریخ نے شاہ حبشہ نجاشی کو ایک انسان دوست اور مسلمانوں کے خیر خواہ کی حیثیت سے یاد کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی عظیم نعمت عطا کی وہ مسلمان ہوا، اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی نیز اسے یہ لافانی اور بے بدل سعادت نصیب بھی ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور اس کی بخشش کے لیے دعا کی۔ یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں چند ہی افراد کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی اور نجاشی اصحم ان میں سے ایک خوش نصیب انسان ہیں۔ نجاشی کے اس کارِ خیر کی بدولت نہ صرف نجاشی کو ایمان جیسی نعمتِ حاصل ہوئی، بلکہ اہلِ حبشہ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے عزت و توقیر عطا کی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ عہد رسالت میں اہلِ حبشہ کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی عزت و توقیر کی اور ان کی مہمان نوازی خود فرمائی، جو اپنی جگہ ایک عظیم شرف اور بڑی سعادت ہے۔ مزید بر آں تاریخ اسلام میں حبشہ کو اسلام اور مسلمانوں کے عظیم محسنین میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے اسلام کے تشکیلی دور میں مسلمان مہاجرین کی مدد، مہمان نوازی کی اور اسلام کی آبیاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی حبشہ ایک اسلامی ملک اور اسلامی تنظیم کانفرنس کا رکن ہے۔ ہجرت حبشہ اور سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے خادم رسول ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں حبشہ کو ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور اسلام دوست ملک کی حیثیت سے یاد کیا جائے گا اور ہجرت حبشہ سدا اسلام و مسیحیت

کی ہم آہنگی کا مظہر رہے گا۔

ثقافتی اثرات

ہجرت حبشہ کے دوران مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں قیام کیا۔ چونکہ مسلمانوں کی ایک معقول تعداد حبشہ میں مقیم رہی اور انسانی ضرورت کے مطابق وہ حبشہ کے عیسائی باشندوں سے میل ملاپ اور لین دین کرتے رہے، اس لیے ان دونوں الہامی ادیان کے پیروکاروں اور دو الگ الگ ثقافتوں۔ عرب اور افریقی۔ کے علمبرداروں کے باہمی ربط وضبط سے ایک دوسرے کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ جس کے اثرات دونوں معاشروں میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ یہ باور کیا جاتا ہے کہ عرب اپنے فوت شدگان کو کفن پہنا کر براہِ راست زمین میں دفن کرتے تھے جبکہ دیگر مذاہب کے پیروکار عموماً اور مسیحی خصوصاً مردوں کو تابوت میں بند کرکے دفن کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے حوالے سے سورۃ البقرۃ اور سورہ طہ میں ذکر کیا ہے۔

اس لیے یہ امر باور کیا جاتا ہے کہ جب مسلمان حبشہ میں مقیم رہے تو وہاں انہوں نے مشاہدہ کیا کہ مسیحی اپنے مردوں کو تابوت میں بند کرکے دفن کرتے ہیں۔ لہذا جب وہ قیامِ حبشہ کے بعد مدینہ منورہ واپس لوٹے تو انہوں نے مسلمانوں سے تابوت کے استعمال کا ذکر کیا۔ ہمارے رائے میں یہ ایک اہم موضوع ہے۔ جس کے لیے الگ مطالعہ کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ کیونکہ جس طرح مسیحی دینی ثقافت کے اثرات مسلمانوں پر مرتب ہوئے اسی طرح انسانی ربط وضبط کا تقاضا ہے کہ حبشہ کے مسیحیوں پر بھی اسلام کی دینی ثقافت کے اثرات ضرور مرتب ہوئے تھے۔ اس لیے یہ موضوع محققین کی توجہ کا طالب ہے۔ تاکہ مسیحیت اور اسلام کے ثقافتی مشترکات کا سراغ لگایا جاسکے۔ نیز ان دینی ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔

حاصلِ مطالعہ

مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے چیدہ چیدہ واقعات اور ان سے مرتب ہونے والے بعض اثرات ہم نے انتہائی اختصار کے بیان کیے اور بعض مقامات پر اپنی رائے بھی بیان کی۔ یہ واقعات ضبط تحریر میں لانے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہ کرہ ارض اب عالمی بستی کا روپ دھار رہا ہے انسانوں کے درمیان زمینی فاصلے سمٹ رہے ہیں، عالمی مذاہب خصوصاً دو بڑے الہامی مذاہب اسلام اور مسیحیت ایک دوسرے کے قریب آرہے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی ایک معقول تعداد مسیحی اکثریت والے ممالک میں جاکر آباد ہو رہے ہیں اور ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے مابین سماجی اور ثقافتی تعلقات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے خصوصاً مسلمان نوجوان مسیحی ماحول میں جاکر رہائش اختیار کر رہے ہیں۔ اس لیے اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی ہے کہ انہیں مسلم مسیحی تعلقات کا ایک نمونہ فراہم کیا جائے۔ جس پر عمل پیرا ہوکر وہ مسیحی دنیا میں بطور مسلمان پُرسکون زندگی بسر کرسکیں۔ ہجرت حبشہ کے دوران حبشہ میں مسلمانوں نے بھی مثالی زندگی بسر

کی، نہ صرف وہ پر سکون ماحول میں عبادت الٰہی میں شب و روز مصروف رہے، بلکہ انہوں نے وہاں کے مقامی قوانین، بود و باش، اخلاق اور معاشرتی روایات کی بھی پوری پوری پابندی اور پیروی کی۔ وہ حکومتِ حبشہ کے ساتھ مخلص رہے۔ بغاوت کے وقت نجاشی کی کامیابی کے دعائیں کرتے رہے۔ جنگی محاذ کے حالات سے باخبر رہنے کا انہوں نے عمدہ اہتمام کیا نیز نجاشی کے خلاف اٹھنے والی بغاوت ے فرو ہونے پر انہوں نے خوشی کا اظہار بھی کا نیز انہوں نے حبشہ کی تعمیر و ترقی میں بھی اپنا حصہ شامل کیا۔ سب سے بڑھ کر وہ جتنا عرصہ حبشہ میں قیام پذیر رہے وہاں کے باشندوں سے شیر وشکر ہو کر آباد رہے۔ انہوں نے نہ کبھی کسی قانون کی خلاف ورزی کی، نہ دنگہ فساد کر کے معاشرتی امن کو داؤ پر لگایا، نہ باہم جھگڑا کر کے امن و امان کا کوئی مسئلہ بپا کیا، بلکہ اس کے بر عکس وہ حبشہ کے ممنونِ احسان ہو کر وہاں اپنا وقت گزارتے رہے۔ انہوں نے ہمہ وقت حکومت حبشہ اور نجاشی کے احکام کی مسلسل فرماں برداری کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت حبشہ پر دیسی مسلمانوں کے لیے ایک لائحہ عمل اور دستور حیات ہے۔ تاکہ اس نمونہ کو اپنا کر وہ غیر مسلم ممالک میں نہ صرف خود پر سکون زندگی بسر کرتے ہوئے ترقی کریں بلکہ ان خیر خواہ ممالک کی تعمیر و ترقی میں بھی حصہ لیں۔ ان ملکوں کے قوانین، اخلاقی اقدار اور معاشرتی روایات کی پوری طرح سے پابندی اور پیروی کریں۔ تاکہ وہ ان ریاستوں کے مفید شہری شمار ہوں اور اسلام کو بھی فروغ ملے نیز مسلمانوں کے لیے ان ریاستوں میں قیام کے مزید مفید مواقع پیدا ہوں۔

مصادر و مراجع

قرآن مجید

ابن الأثير، عزالدين أبوالحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد الشيباني الجزري. أسد الغابة في معرفة الصحابة. محقق: علي محمد معوض اور عادل أحمد عبد الموجود. بيروت: دار الكتب العلمية، ١٩٩٤.

ابن سعد، أبوعبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي البغدادي. الطبقات الكبرى. بيروت: دار الكتب العلمية، ١٩٩٠.

ابن كثير، أبو الفداء إسماعيل بن عمر. البداية والنهاية. محقق: علي شيري. بيروت: دار إحياء التراث العربي، ١٩٨٨.

ابن هشام، أبو محمد جمال الدين عبد الملك. السيرة النبوية. محقق: مصطفى السقاء، إبراهيم الأبياري، اور عبد الحفيظ الشلبي. مصر: مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، ١٩٥٥.

البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي. دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة. محقق: د. عبد المعطي قلعجي. بيروت: دار الكتب العلمية، ١٩٨٨.

التبريزي، محمد بن عبد الله الخطيب. مشكاة المصابيح. محقق: محمد ناصر الدين الألباني. بيروت: المكتب الإسلامي، ١٩٨٥.

الزرقاني، أبوعبد الله محمد بن عبد الباقي بن يوسف. شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية. بيروت: دار الكتب العلمية، ١٩٩٦.

العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل. فتح الباري شرح صحيح البخاري. بيروت: دار المعرفة، ١٣٧٩.

القسطلاني، أحمد بن محمد بن أبي بكر بن عبد الملك. المواهب اللدنية بالمنح المحمدية. قاهرة: المكتبة التوفيقية، س ن.

المباركفوري، صفي الرحمن. الرحيق المختوم. بيروت: دار الهلال، س ن.